بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نظرات

شوریٰ اور اجتہاد کی اصطلاحیں دراصل اسلام کے حرکی نظام کی آئینہ دار ہیں۔ کسی غیر ترقی پذیر اور جامد دین میں اس قسم کی اصطلاحات کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ ایک اسلامی معاشرہ کو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات اور نت نئے تقاضوں کے مطابق نہ صرف ماضی کے تجربات، بلکہ ہم عصر اقوام کے تجارب سے بھی فائدہ اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ تمام تجربات حرفِ آخر نہیں ہوتے ان ہیں برابر تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ یہ دین نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ دین مکمل ہوچکا ہے۔ اس میں تغیر و تبدل کے لئے کوئی جگہ نہیں، البتہ جب ایک مسلم معاشرہ اپنے انتظامی مصالح کے لئے کسی تجربہ کو اپنانا چاہے تو دین اسے یہ آزادی اور اختیار دیتا ہے کہ وہ اسے آزمائے اور جب اس تجربہ کو مفید نہ سمجھے یا اس سے بہتر کوئی بدل پالے تو اسے چھوڑ کر وہ کسی دوسرے بہتر عمل کو اپنا لے۔ قرآن مجید "فاستبقوا الخیرات"۔ "واعملوا الخیر" اور "امرھم شوریٰ بینھم" اور "عمل صالح" نیز "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" جیسے احکام کے ذریعہ اس اصول کی بار بار یاد دہانی کرتا اور اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام میں جب تک شوریٰ کا نظام رہا یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور اسلامی معاشرہ متواتر ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ ایک ترقی پذیر متحرک اور زندہ اسلامی معاشرہ میں جس طرح دین کے کامل ہونے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا اسی طرح شوریٰ کے ذریعہ تغیر پذیر انتظامی امور اور دیگر متبدل نظاموں کو قبول کر لینے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ملتا۔

ترقی پذیر قوم کی حیثیت سے ہمارے لئے ہر گھڑی اپنے عمل کا حساب کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی غلط اقدام بڑے نقصان کا باعث نہ بن جائے۔ لیکن یہ محاسبہ کسی صورت بھی ہماری "لذت تخلیق" یا "کارنادر" کی راہ میں مزاحم نہیں ہونے پائے۔ کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر خوب غور کر لینا ضروری ہے لیکن اس کے باوجود اگر غلط فیصلہ ہو جائے تو عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لینے کے بجائے فوراً اس سے رجوع کر لینا بہتر ہے۔

ماضی میں بسا اوقات ہماری قیمتی صلاحیتیں اور قوتیں انسانی تجارب سے ظہور میں آنے والے علوم و فنون سے بے جا تصادم میں صرف ہوتی رہی ہیں جن سے ہمیں نقصان پہنچا اور ہماری تیز رفتاری میں خلل واقع ہوتا رہا، حالانکہ ان علوم و فنون اور ان سے پیدا ہونے والے اصول و ضوابط یا مصنوعات و ایجادات انسانیت کے لئے مفید اور اس کی ترقی کی راہ میں ممد و معاون تھے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں دینی تعلیم مانع نہیں تھی۔ اب اگر گزشتہ واقعات سے عبرت حاصل کئے بغیر ہم اس پرانے موقف پر جمے رہے تو یہ کسی طرح ہماری حکمت و بصیرت کی دلیل نہ ہوگی۔ کیا اچھا ہو کہ ایسے تصادم پیش آنے پر ہم اپنی اجتماعی رائے معلوم کرنے کے لئے مضبوط و مؤثر مرکزی شوریٰ کی طرف رجوع کرنے لگیں اور انتشار و خلفشار پیدا کرنے والے طریقوں سے گریز کریں۔

ہمیں اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، تعلیمی، تمدنی نیز ان تمام دینوی معاملات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے، جن کا تعلق تجربات سے ہے اور جن کے متعلق دین کی کوئی معین تعلیم یا صریح نص قرآنی نہیں، شوریٰ کی ہدایت کی گئی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ارباب حل و عقد باہمی صلاح و مشورہ سے مناسب قوانین وضع کر کے ان امور میں عوام کی صحیح رہنمائی کرتے رہیں، سابقہ غلطیوں اور نقائص کو دور کر کے جدید تقاضوں کے مطابق ان مسائل کے حل دریافت کرتے رہیں۔ بلاشبہ ایک ایسی قوم جو علم سے دور ہو کر جمود کا شکار اور جدوجہد، حرکت و حرارت اور تغیر و تبدل سے بیزار ہو چکی ہو، جو نئی دنیا معلوم کرنے کے لئے طوفانوں کا مقابلہ کرنے سے زیادہ ساحل پر کھڑے رہنے میں عافیت محسوس کرتی ہو، اسے اصلاحِ حال اور تغیر احوال پر مائل کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ وہ انہی لیڈروں کو خیرخواہ سمجھتی ہے جو ان کے جامد موقف کی صحت کے لئے دلائل فراہم کریں، اور انہیں کسی قسم کی جدوجہد یا عملی تبدیلی کی دعوت نہ دیں جو انھیں اندھیروں میں محو خواب رکھیں اور روشنی کی کسی

کرن کو ان تک نہ پہنچنے دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وتیرہ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں۔ اسلام تو حرکت وعملِ صالح کی دعوت دینے والا اور ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لانے والا دین ہے وہ کہتا ہے کہ جنت میں محض آرزوؤں سے داخلہ نہیں ملتا۔ اس کے لئے باطل سے جہاد کرنا اور مسلسل قربانیاں دینا ہوں گی۔ ہر قسم کی مصائب و تکالیف کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ تباہ کن جنگوں اور لرزا دینے والے حوادث سے گزرنا ہوگا۔ جو لوگ جنت کی بلندیوں پر پہنچنے کے لئے صبر و ثبات اور ہمت کی بلندی نہیں رکھتے وہ سہل انگار و بے عمل خود بخود جہنم کی پستیوں میں جا گرتے ہیں۔

آج ہم پاکستانی مسلمانوں کو اپنے بہت سے اہم مسائل طے کرنے کے لئے صوبوں اور مرکز میں ایسے نمائندوں کو منتخب کرنا ہے جو دینی معلومات رکھنے کے ساتھ ہمارے عوام کے جذبات و احساسات اور ان کے مطالبات کے صحیح ترجمان ہوں، جو بااثر قوتوں کے آلۂ کار نہ بنیں۔ خواص کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھنے کے بجائے عوام کے مفاد کے محافظ ہوں اور پاکستان میں صحیح بنیادوں پر اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے اپنی تمام توانائیاں وقف کر دیں۔ ظاہر ہے ایسے نمائندوں کو کامیاب بنانے کے لئے ملک گیر پیمانہ پر عوام کا دینی شعور بیدار کرنا ضروری ہے۔ انہیں "الحب للہ والبغض للہ" کا ایسا زوردار سبق یاد کرانا ہوگا کہ وہ اللہ کے احکام کے سامنے کسی شخصیت، کسی فلسفہ، کسی فکر اور کسی نظام کی جانبداری یا رو رعایت نہ کریں۔ وہ کسی طرح کی قوت یا لالچ سے مغلوب نہ ہو جائیں، وہ انتخاب میں ووٹ دینے سے پہلے اپنے نمائندوں کا نہایت سختی سے محاسبہ کریں، وہ کسی ایسے نمائندہ کو ووٹ نہ دیں جس کے قول و عمل میں تضاد ہو، جو دوسروں کو نصیحت کرے اور اپنے کو بھول جائے، جو کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتے رہنے کا عادی ہو۔

اس موقع پر یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کے سامنے ان لوگوں کی نشان دہی کی جائے جو انہیں مسلسل تاریکی میں رکھنے کے مجرم بنے رہے، جنہوں نے دین یا اپنے منصب کو اپنی مصلحتوں کا آلۂ کار بنایا اور دین یا اپنے عہدہ اور مقبولیت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جو اللہ اور اس کے بندوں کے ساتھ مذاق کرتے رہے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور فتنہ و فساد پھیلانے کے مرتکب ہوئے۔

اس وقت اہم ترین دینی، قومی اور ملکی خدمت یہ ہے کہ عوام میں ووٹ کی صحیح قدر و قیمت کا شعور پیدا کیا جائے۔ انہیں ووٹ کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے، اس کے غلط استعمال کے تلخ نتائج سے

(باقی ص ۹۷ پر)